آغا شاعر قزلباش دہلوی مرحوم
مرتبہ: محمد عبداللہ قریشی

علامہ ڈاکٹر سر اقبال

اب سے کوئی پچپن ۵۵ برس پیشتر لاہور کے مطلع صحافت پر ماہنامہ "آفتاب" طلوع ہوتا تھا۔ اس کے مدیر افسر الشعرا آغا شاعر قزلباش دہلوی اور ان کے شاگرد آتما نند شرر تھے۔ آغا شاعر، دلی کی آبرو تھے۔ شاعری میں نواب فصیح الملک بہادر میرزا داغ دہلوی کے شاگرد اور علامہ اقبال کے استاد بھائی تھے۔ خود بھی ایک باکمال شاعر اور نثر نگار تھے، اسی بنا پر راجہ صاحب محمود آباد نے اپنی عقل و دانش میں اضافے کی خاطر انھیں اپنی مصاحبت میں لے رکھا تھا۔ شیخ عبدالقادر مدیر مخزن لاہور نے اپنے ادارۂ مخزن کی جانب سے ان کا مجموعۂ کلام "تیر و نشتر" کے نام سے شائع کیا تھا، جو بہت مقبول ہوا تھا۔ قرآن مجید اور رباعیات عمر خیام کے منظوم تراجم ان کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

ماہنامہ آفتاب کی مارچ ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں آغا صاحب نے "گرامی، اقبال اور حشر" کے زیر عنوان ایک نہایت پیارا سا مضمون لکھا تھا، جس میں ان تینوں ہم عصروں کے کمالات کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا۔ ذیل کی چند سطور اسی مضمون کا حصہ ہیں جو آج تبرک کے طور پر دوبارہ پیش کی جاتی ہیں۔

(محمد عبداللہ قریشی)

شرم پر شرم اور حیا پر حیا دامن گیر ہوتی ہے کہ ایسے باکمال، مشہور و معروف، فاضل اجل، یگانۂ روزگار شاعر کی بابت مجھ جیسا بے سواد کچھ حرف زنی کرے۔ مگر کیا کیا جائے یہ زمانہ ہی ایسا ہے جس میں درباری مسخروں کو، جن کا شین قاف تک درست نہیں، ملک الشعرا کا خطاب دیا جاتا ہے اور اس کے بھی لوگ طرف دار پیدا ہو جاتے ہیں، حالاں کہ جس کو خطاب دیا گیا ہے وہ ملک اور ملیک اور مُلک کا قطعی امتیاز نہیں جانتا۔ یہ سب تقدیری امور ہیں۔ بس ایسا ہی نااہل مجھے بھی سمجھ لیا جائے اور جو کچھ مجھ سے سر اقبال کی بابت لغزش ہو، وہ صرف میری ہی ایک رائے سمجھی جائے۔

میرے خیال میں سر اقبال کی شخصیت بالکل اسی طرح ظہور پذیر ہوئی ہے جس طرح اور لاثانی انسانوں کی زندگیاں، یعنی ابتدا ان کی نہایت معمولی مگر بڑھتے بڑھتے وہ شہرت کے اس فلک الافلاک تک جا پہنچے،

جہاں ان سے پہلے کوئی نہ جا سکا تھا۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے۔ سیالکوٹ کا ایک طالب علم، جس کا معمولی سے معمولی تعلیم میں بھی جی نہ لگتا ہو، رفقا اور عزیزوں کے مارے باندھے سے وہ تعلیم پائے اور پھر وہی محسود روزگار ہو جائے۔ کون جانتا تھا، کسی کو سان وگمان بھی نہ تھا کہ یہ دنیا سے بیزار خاموش وضع لڑکا، اپنے دماغ میں کیا کیا فیضان دہبی چھپائے ہے، جس سے قلیل مدت میں مغربی علوم کے ماسوا، وہ مشرقی زبانوں پر بھی فاضلانہ عبور کر جائے گا، پنجابی ہو کر صاف ستھری اردو میں طرزِ خاص کا موجد بن جائے گا۔ شارٹ وردڈ ہونے پر بھی وہ ایسے اچھوتے خیالات کو درک کرے گا کہ نئی تانتی اس کو اپنا امام مفترض الطاعت سمجھنے لگے گی۔ ماشاء اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کی شہرت کا یہ عالم ہو گا کہ کلکتہ کے گرانڈ ہوٹل میں امریکن سیاحوں کی ایک بڑی پارٹی (ملیونز) آکر ٹھہرتی ہے، ہندوستان کا ایک مشہور و معروف شاعر ان لوگوں سے ملنے جاتا ہے، جو بزعم خود اپنے آپ کو سر اقبال سے بدرجہا سینیر سمجھتا ہے مگر جب امریکن سیاح (ان میں سے ایک شخص) ان سے ہم کلام ہوتا ہے تو شاعر صاحب کو اپنی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور ڈاکٹر اقبال کی لافانی شخصیت بھی۔ ذیل کا مکالمہ اس کی کافی شرح کر دے گا۔

شاعر صاحب : کیوں جناب! آپ امریکہ میں کس درجے کے آدمی ہیں؟

امریکن : میں؟ میں تو ایک غریب آدمی ہوں؟

بھلا کس قدر غریب جناب؟

بس یہی سمجھ لیجیے کہ میری پارٹی میں مجھ سے زیادہ غریب کوئی نہیں۔ میں صرف دو فرم کا مالک ہوں۔

کیا خوب! امریکہ کے دو فرم کا مالک اور آپ اسے غریب کہتے ہیں۔ افسوس! آپ کو اس ملک کی حالت معلوم نہیں۔ یہاں غریب وہ بد نصیب ہیں جن کو ہر روز آدھا پیٹ کھانے کو بھی نہیں ملتا بلکہ اکثر نان شبینہ کو بھی محتاج ہوتے ہیں۔

آخاہ! یہ تو بڑی مصیبت کی بات ہے، مگر سنیے تو آپ کون ہیں اور کیا پیشہ کرتے ہیں؟

میں ایک راجہ صاحب کا مصاحب ہوں اور اس ملک کا مشہور و معروف شاعر بھی؟

ہیں تو کیا آپ اقبال ہیں، مسٹر اقبال؟

یہ سنتے ہی میں پتھر کا ہو گیا اور ڈاکٹر اقبال کی اس عظیم الشان مقبولیت کا مجھے دل سے اعتراف کرنا

پڑا۔ یہ ہے خدا کی دین، جس پر کسی کا بس نہیں۔ مثال کے طور پر میں جناب ڈاکٹر اقبال کی ایک معمولی نظم کے کچھ شعر لکھ دیتا ہوں اور ان حضرات سے مخاطب ہوتا ہوں جو محض اُردو کے دعوے دار بن کر اکثر اوقات اپنی عصبیت کا نہایت ناموزوں اظہار کرتے رہتے ہیں۔ وہ چشم انصاف سے دیکھیں اور خاک پنجاب کے اس منفرد جوہرِ قابل کو دل سے سراہیں۔ دیکھیے اقبال جب صاف صاف اور سیدھا سیدھا لکھتا ہے تو یہ چیز ہوتی ہے، جو کسی طرح بھی آپ کے بس کا روگ نہیں:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

جبھی تو دنیا کی کوئی مہذب زبان اس کے خیالات کے عکس سے خالی نہیں۔ جرمن، فرانس، جاپان، ایران، کابل، ترکستان تمام علمی دنیا میں موجود ہیں۔ خصوصاً اپنے ملک کی یونیورسٹیاں تو اس پر اتنا وثوق کامل رکھتی ہیں (عام اس سے کہ وہ اس چیز کو جانے یا نہ جانے) کہ ہر صنف پر اس کا فیصلہ بہترین تمغائے امتیاز سمجھا جاتا ہے۔

کلام معجز نظام جناب اقبال

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

یہ اقبال کی ایک معمولی نظم ہے جو بچوں کی کتاب میں سے ایک ٹکڑا یا پارچہ میرے بھی ہاتھ لگ گیا ہے اور میں نے اسی کو یہاں نمونتاً پیش کر دیا ہے۔ یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں ..... اس سادگی پر لاکھ بناؤ قربان ہیں:

آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

بعض نازک دماغ فرمائیں گے، ستارہ تو ٹوٹ کر گرتا ہے۔ اڑ کر نہیں آتا اور یہ مہتاب کی کرن کیا چیز ہے۔ جناب میں عرض کروں گا، بے شک جناب کا ارشاد بجا و درست۔ آپ اہل زبان ہیں۔ لیکن جب ستارہ ٹوٹ کر گرا تو اس میں جان کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔ مہتاب کی کرن کو اگر کرن نہ کہیں تو کیا پاپوش کی کرن یہاں زیادہ سجے گی؟ چلیے آگے چلیے:

کیا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غربت میں آکے چمکا، گمنام تھا وطن میں

اے سبحان اللہ! یہ ہے اجتہاد کامل۔ مگر معاف کیا جائے سطحی نظر رکھنے والے اس تخیل کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ جہاں ایک صدر المہام کے دماغ کی ضرورت ہے۔ کیسی نادر تشبیہ ہے جس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

اور پھر ع۔ غربت میں آکے چمکا، گمنام تھا وطن میں

اس لطافت کو کوئی کس طرح پیدا کر سکتا ہے:

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرہ ہے یاں نمایاں سورج کے پیرہن میں

تشبیہ پر تشبیہ نرالی تشبیہ پھر کس قدر زیبا اور انوکھی:

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا

اے قربانت شوم! کیا عجب ہے جو علامہ سخنور کو یہ شعر لکھتے وقت:

ترا نہ تکمۂ لعل است در لباس حریر   شد است قطرہ خونِ منت گریباں گیر

کی جھلک یاد آگئی ہو:

حسن قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت کی انجمن میں

یہاں دیدہ ور حضرات سے انصاف کا مطالبہ ہے۔ میرے خیال میں اس وقت دلی اور لکھنؤ کی علم برداری کو ایک کنارے کر دینا چاہیے۔ اقبال کی شاعری کے لیے نیچر اور حقیقت کو سب سے پہلے اسٹڈی کرنے کی ضرورت ہے پھر حسن قدیم، اس کی پوشیدہ جھلک اور کرمک شب تاب کا خلوت سے انجمن میں آجانا بالکل واضح ہو جائے گا اور اس وقت سب سمجھ لیں گے کہ صحیفۂ قدرت کا مطالعہ کرنے والا جگنو جیسے حقیر پتنگے میں کیا کچھ دیکھ رہا ہے اور کس طرح قلم برداشتہ اس کو ٹانکتا چلا جاتا ہے:

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے، آیا کبھی گہن میں

یہ ہے مبدء فیاض کا خاص عطیہ۔ ایک متضاد حالت کو جو حقیقت سے لبریز ہے کیسے پیارے لفظوں میں

[illegible]